صدرِ اسلام میں مسلمانوں کے علمی مرکز

محمد سرور

دیکھنے میں آیا ہے کہ مذاہب، علوم و فنون اور ادب و شعر نے ہمیشہ شہروں میں جنم لیا اور وہیں یہ پروان چڑھے۔ یہی ہوتا چلا آیا ہے اور یہی ہوتا رہے گا۔ عہد حاضر میں بھی جدید افکار و آراء اور اصلاح و ترقی کے خیالات شہروں ہی سے اٹھتے ہیں، اسی طرح علوم و فنون کی درس گاہیں، ادبی ادارے، کتب خانے اور اخبارات و رسائل دیہات کے مقابلے میں شہروں میں زیادہ پھلتے پھولتے ہیں پھر تمام شہر ایک سے نہیں ہوتے۔ ہر ایک دوسرے سے کوئی نہ کوئی امتیازی خصوصیت ضرور رکھتا ہے۔ چنانچہ ایک شہر ایک خاص علم میں ممتاز ہوتا ہے اور دوسرا دوسرے علم میں نمایاں حیثیت حاصل کرتا ہے۔ کہیں فلسفہ و حکمت کے چرچے ہوتے ہیں اور کسی جگہ شعر و ادب کی گرم بازاری نظر آتی ہے۔

صدرِ اسلام میں سرزمین حجاز میں علم حدیث کو بڑا فروغ ہوا۔ مذاہب دینیہ اور جدید افکار و آراء کا سرچشمہ عراق بنا۔ پھر عراق میں بصرے کو نحو کی اختراع کا فخر حاصل ہوا۔ مدنِ اسلامیہ کا یہ تنوع محض اتفاقات کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ اس کے پیچھے تاریخی و طبعی اسباب تھے۔ اسلامی شہروں کے شہرتِ علمی میں مختلف ہونے اور علوم و فنون میں ان کی انفرادی حیثیت کے کئی ایک اسباب تھے۔

۱۔ اسلامی مدنیت کی عمارت قدیم مدنیتوں کے کھنڈرات پر قائم ہوئی تھی، اور اس کی وجہ سے ہر شہر اپنے مقامی رنگ اور ماحول کے اثرات سے متاثر ہوا۔ جب مسلمانوں نے عراق و شام فتح کیا، تو وہاں کے باشندے اپنی پرانی ذہنیت اور افکار و مزاج سے جو انہیں آباء و اجداد سے

لہ ماخوذ از فجر الاسلام مصنفہ احمد امین مصری مرحوم

وراثت میں ملے تھے، یکسر خالی نہیں ہو سکتے تھے۔ البتہ اسلام کا اثر ان سب پر غالب آگیا۔ اور اس طرح ان کی نئی ذہنیت کی تشکیل عمل میں آئی، جو نتیجہ تھی ان کے قدیم آراء و افکار پر اسلام کے اثر و نفوذ کا۔

۲۔ صحابہ کرام اور تابعین کا اہل علم طبقہ اپنے علمی رجحانات اور ذہنی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ اس فطری اختلاف کے علاوہ صحابہ کرام اسلامی مملکت کے مختلف حصوں میں جا کر بس گئے تھے۔ چنانچہ وہاں ان کے درس و تدریس اور اثر و نفوذ سے جو علمی مراکز بنے، ان پر یقیناً ان کے شخصی علمی رجحانات اور ان کے مخصوص نقطہ ہائے نظر کا پرتو پڑا۔ بعد میں آنے والے لوگ بھی انہی کے نقش قدم پر چلے اور اس طرح ان اسلامی مراکز میں مستقل مکاتب فکر معرض وجود میں آگئے۔

۳۔ تیسرا اہم سبب سیاسی اور تاریخی حوادث تھے، جنہوں نے مختلف اسلامی شہروں کی علمی و ذہنی زندگی کو بالکل بدل دیا تھا۔ مکہ کیا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے اسے کیا سے کیا بنا دیا۔ مدینہ آپؐ کے دار الہجرت ہونے کے بعد صفحۂ تاریخ پر ایک نئی اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ سیاسی انقلابات اور فتنہ و فساد کی گرم بازاری نے عراق کو نت نئے افکار کا مرکز بنا دیا۔ اس طرح دمشق کی ذہنی زندگی کی تشکیل پر اس کے خلافت اموی کے صدر مقام ہونے نے بڑے دور رس اثرات ڈالے۔

پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں کے علمی و ذہنی مراکز حسب ذیل تھے:۔ سرزمین حجاز میں مکہ و مدینہ۔ عراق میں بصرہ و کوفہ، شام میں دمشق اور مصر میں فسطاط،

حجاز —— خطہ حجاز سنگلاخ اور بے آب و گیاہ اور دریاؤں سے خالی ہے۔ اس کا بیشتر حصہ صحرا اور پہاڑیاں ہیں۔ گرمی اتنی شدید ہے کہ چند ایک وادیوں کے سوا سبزہ زمین سے سر نہیں نکال سکتا، باشندوں کی غالب اکثریت بادہ نشین تھی۔ یہ آس پاس کی دنیا سے الگ تھلگ تھا۔ یہاں نہ تو خود تہذیب و تمدن نے کبھی خاص ترقی کی اور نہ یہاں کے باشندوں نے بیرونی دنیا سے تہذیب و تمدن مستعار لینے کی کوشش کی۔ باہر سے یہودیت و نصرانیت نے آکر کہیں کہیں اس سرزمین میں اپنے قدم جمائے۔ اور کچھ فلسفیانہ خیالات کو بھی یہاں قدرے بار ملا۔ لیکن یہ بالکل غیر منظم صورت میں تھا۔

اس میں کلام نہیں کہ اہل حجاز ایسی حکمران قوموں کی سیادت سے محروم رہے۔ جو انہیں

تہذیب وتمدن کا سبق دیتیں، لیکن ان کی اس محرومی نے ان میں غیرت، عزت نفس، خوداعتمادی اور آزادی سے غیر معمولی شیفتگی کے جذبات پیدا کئے اور اسلام قبول کرنے کے بعد وہ مشرق و مغرب میں پھیل گئے

اس ظلمت کدے میں آفتاب اسلام طلوع ہوتا ہے۔ اور اس کی نورافشانیوں سے مکہ و مدینہ ہدایت وسعادت اور علم وحکمت کے مرکز بن جاتے ہیں۔

مکہ معظمہ کو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ظہور قدسی کا شرف حاصل ہوا۔ وہیں اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو سعادت نبوت سے سرفراز فرمایا اور وہیں سے آپؐ کی عملی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ قریش کو دعوت حق دینا، ان کی مخالفت وسرکشی اور آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کو ان کا ایذائیں دینا، عہد نبوت کے یہ سارے ابتدائی واقعات اسی شہر میں ہوئے، اور یہیں شریعت کا مکی حصہ مدون ہوا، جسے پوری طرح سمجھنے کے لئے مکہ کی اس دور کی تاریخ اور اس کے اجتماعی حالات کا جاننا ضروری ہے۔ مکہ معظمہ کے بعد مدینہ منورہ کو آپؐ کے دارالہجرت ہونے کی سعادت ملی۔ اور یہ شہر اسلامی سرگرمیوں کا مرکز بنا۔ اس جگہ شریعت اسلامی کا بڑا حصہ مدون ہوا۔ صدر اسلام کے اہم تاریخی واقعات کا مصدر و منبع یہی شہر تھا۔ مدینہ ہی میں رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی احادیث کا بڑا حصہ محفوظ تھا۔ اس عہد کی اسلامی تاریخ وتشریع کو صحیح طرح سمجھنے کے لئے مدینہ منورہ کے اجتماعی ماحول کا غائر مطالعہ بڑا اہم ہے۔

علاوہ ازیں مسلمانوں کے انتہائی عروج کے زمانے یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں مدینہ ہی صدر حکومت رہا اور صحابہ کرام کی بھی بڑی تعداد یہیں مقیم تھی۔ ان سب بزرگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ آپؐ کے ارشادات سنے تھے غزوات ومہمات میں آپؐ کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ ظاہر ہے آپؐ کے انتقال کے بعد یہ لوگ آپؐ کے سوانح حیات طیبہ اور آپؐ کے ارشادات واوامر کا سب سے زیادہ علم رکھتے ہوں اگر اس دور کی یہ سب باتیں پیش نظر ہوں، تو اس وقت مکہ ومدینہ کی جو دینی وعلمی اہمیت تھی اس میں کوئی شک نہیں رہتا۔ صدر اسلام میں علوم حدیث و قرآن اور فقہ وتاریخ کے طالبوں کا مرجع ومقصود یہی دو شہر تھے۔ اور ان دونوں میں بھی آخرالذکر کو اول الذکر پر فوقیت حاصل تھی۔

بات یہ ہے کہ ایک تو ہجرت کے وقت تمام صحابہ کرام مکہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے دوسرے ہجرت کے بعد اہل مکہ میں سے جو بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا، وہ سیدھا مدینہ کا رخ کرتا۔ اور خاص طور سے اہل مکہ میں سے ذی اثر افراد مدینہ میں سکونت کو ترجیح دیتے تھے۔ آپؐ کی ہجرت سے بعد کی ساری زندگی اسی شہر میں گزری تھی۔ پھر یہ اب اسلامی مملکت کا مرکز اور

صدر مقام تھا۔ اور عرب کے طول وعرض سے طالبان حق اسی شہر کا قصد کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مدینہ کی مرکزیت و اہمیت میں فرق نہ آیا۔ اور وہ نبوت کے بجائے خلافت کا مرکز بن گیا۔ حضرت عمرؓ اپنے عہد خلافت میں بااثر صحابہ کو مدینہ ہی میں رکھنے پر بڑے مُصر تھے۔ پھر یہی وہ دور ہے جب مسلمانوں کو عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں اور مفتوحہ قوموں کے اسیران جنگ مدینہ پہنچنے لگے۔ حضرت عمرؓ کا خاص حکم تھا کہ جنگوں میں جو قیدی مسلمان فوجوں کے ہاتھ لگیں، ان کو آپس میں تقسیم کرنے کے بجائے مدینہ بھیجا جائے۔ ان اسیران جنگ میں ایران کے طبقہ امرا کے ممتاز افراد ہوتے تھے اور وہ اپنے ملک کے دستور کے مطابق یقیناً علوم مروجہ سے بہرہ مند بھی ہوتے ہوں گے۔ ان میں سے ایک کافی تعداد مدینہ میں بس بھی گئی تھی ابن سعد نے اپنی مشہور کتاب طبقات میں ان سے بہت سے افراد کے نام بھی گنائے ہیں۔ یہ لوگ ان اکابر صحابہ کے موالی شمار ہوتے تھے، جن کے ہاتھ پر وہ اسلام لاتے تھے۔ یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ اسیران جنگ میں سے جو لوگ اس طرح اسلام لاتے تھے، ان کے افکار اور نفسیات اپنے ہم مذہب عربوں سے لازماً مختلف ہوتی ہوں گی۔ پھر یہ لوگ دوسروں سے ملتے جلتے بھی ہوں گے ظاہر ہے اس کا دوسرے مسلمانوں کی معاشرت پر ضرور اثر پڑتا ہوگا۔

یہ اسباب تھے، جن کی وجہ سے مدینہ منورہ مکہ معظمہ سے اپنی علمی و دینی حیثیت اور سیاسی اہمیت میں بہت بڑھ گیا۔ اس سلسلے میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جن صحابہ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تھی شروع میں وہ مدینہ چھوڑ کر واپس مکہ جانا نہایت کراہت سے دیکھتے تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔ "محمد بن عمر کہتے ہیں کہ مہاجرین اہل بدر میں سے کوئی فرد ایسا یاد نہیں پڑتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مکہ واپس گیا ہو، سوائے ابی سبرہ کے، یہ مکہ گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کے اس فعل کو بہت بُرا سمجھا، ان کے صاحبزادے اس واقعہ سے انکار کرتے ہیں۔ اور اس کے ذکر کو پسند نہیں کرتے"

مدینہ کی علمی شہرت کے یہی اسباب تھے۔ صدر اسلام کے اکثر علمائے تفسیر و حدیث و فقہ و تاریخ مدینہ ہی کے مکتب فکر کے فارغ التحصیل تھے۔ اس عہد میں دور دراز حصوں سے طلبہ تحصیل علم کے لئے مدینۃ النبیؐ کا قصد کرتے تھے ابن اثیر نے لکھا ہے کہ عبد العزیز بن مروان نے اپنے بیٹے عمر بن عبد العزیز کو جو بعد میں خلیفہ ہوئے تعلیم و تربیت کے لئے مدینہ بھیجا۔ اور صالح بن کیسان کو ان کا نگراں مقرر کیا۔ ایک دن عمر نے نماز میں تاخیر کی۔ صالح بن کیسان نے

باز پرس کی تو انہوں نے کہا کہ کنگھی کرنے والی میرے بالوں کو ٹھیک کر رہی تھی۔ صالح نے اس واقعہ کی اطلاع عبدالعزیز بن مروان کو دی انہوں نے ایک خاص ایلچی بھیجا۔ جس نے آتے ہی عمر بن عبدالعزیز کے بال ہی کٹوا دیئے۔ محمد بن اسحاق اور واقدی نے مدینہ میں ہی نشو و نما پائی، اور وہ اسی مرکز علمی کے فارغ تھے۔ مصنفین متاخرین نے سیر و مغازی کی تالیف میں ان دونوں سے جو مدد لی، وہ ظاہر ہے۔

ظاہر ہے اہل مدینہ سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپ کے غزوات کا علم رکھنے والا اور آپ کی حیات طیبہ کے حالات اور آپ کے جانشین خلفائے راشدین کی تاریخ سے واقف اور کون ہو سکتا تھا۔ یہ تو وہ لوگ تھے جن کے سامنے یہ سب واقعات رونما ہوئے اور ان کے شاہد عینی تھے۔

مکہ کا علمی مرکز

مکہ فتح کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو اپنا نائب مقرر کیا تاکہ وہ اہل مکہ کو دین کی تعلیم دیں حلال و حرام کے احکام سے آگاہ کریں اور لوگوں کو قرآن سمجھائیں۔ حضرت معاذ اپنے علم، صبر و تحمل اور فیاضی میں نوجوانان انصار میں خاص طور پر ممتاز تھے۔ وہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی علمی زندگی کے شاہد تھے۔ ان کا شمار حلال و حرام کے مسائل میں معرفت تامہ رکھنے والے صحابہ میں ہوتا تھا۔ نیز وہ قرآن مجید کے بہترین قاریوں میں سے تھے، اور عہد نبوت میں قرآن جمع کرنے کی سعادت ان کو نصیب ہوئی تھی۔ ابن عباس اور ابن عمر نے ان سے روایت کی ہے، حضرت معاذ کا انتقال طاعون عمواس میں ہوا تھا۔

حضرت معاذ کے بعد ابن عباس نے اپنی آخری زندگی میں مکہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس سے قبل مدینہ و بصرہ ان کے علمی فیوض سے مستفید ہو چکے تھے۔ عبدالملک اور عبداللہ بن زبیر کی خانہ جنگی کے دوران وہ مکہ منتقل ہو گئے۔ اور اس جگہ اپنی علمی مسند بچھائی۔ حضرت ابن عباس حرم کعبہ میں بیٹھتے اور وہیں تفسیر، حدیث و فقہ اور ادب کا درس دیتے۔ مکہ کی علمی شہرت اور مرکزیت ان کی اور ان کے شاگردوں کی رہین منت ہے۔ اس علمی مرکز کے فارغ التحصیل علماء میں سے حسب ذیل تابعین خاص طور پر ممتاز ہوئے:۔ مجاہد بن جبیر، عطا بن ابی رباح اور طاؤس بن کیسان[1]

---

[1] ذہبی نے طاؤس کا شمار یمن کے علماء و فقہا میں کیا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق ان کا ایام حج میں مکہ میں انتقال ہوا ابن سعد نے بھی یہی لکھا ہے۔ لیکن ہم نے ابن القیم الجوزیہ کے حوالے سے انہیں علمائے مکہ میں گنا ہے۔

یہ تینوں بزرگ غیر عرب یعنی موالی میں سے تھے۔ مجاہد بنی مخزوم کے موالی تھے۔ حضرت ابن عباس کی تفسیر کے راوی یہی ہیں۔ مجاہد کا بیان ہے کہ میں نے ابن عباس کے سامنے تین دفعہ قرآن پڑھا۔ پڑھنے کے دوران میں ہر آیت پر ٹھہرتا اور اس کے بارے میں ان سے پوچھتا کہ یہ آیت کس کے بارے میں اتری اور اس کا مطلب کیا ہے۔

عطا بن ابی رباح بنی فہر کے موالی تھے۔ ان کا رنگ سیاہ، ناک چپٹی اور بال گھونگر والے تھے وہ مکہ کے جلیل القدر فقہا اور عبادت گزاروں میں شمار ہوتے تھے، حضرت عطا مناسک حج کے احکام میں اعلیٰ ترین سمجھے جاتے تھے۔ ان کا قاعدہ تھا کہ حرم میں بیٹھ جاتے، لوگ ان کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے، وہ لوگوں سے گفتگو کرتے، انہیں پڑھاتے اور فتوے دیتے۔

طاؤس بن کیسان یمنی تھے اور وہاں کے ابنائے فارس کی اولاد میں سے تھے انہوں نے بہت سے صحابہ سے ملاقات کی اور ان سے استفادہ کیا۔ آخر میں ابن عباس کے زمرۂ شاگردی میں منسلک ہو گئے۔ طاؤس کا شمار حضرت ابن عباس کے خاص شاگردوں میں ہوتا ہے۔ وہ ممتاز تابعین میں سے تھے اور اپنے وقت میں مکہ کے فقیہ اور مفتی مانے جاتے تھے۔

مکہ کے مرکز علمی کی سرگرمیوں کا سلسلہ نسلاً بعد نسل جاری رہا۔ اس سلسلے کی پانچویں کڑی میں سفیان بن عیینہ اور مسلم بن خالد الزنجی کی شخصیتیں خاص قابل ذکر ہیں۔ یہ دونوں بزرگ موالی تھے۔ امام شافعی نے، جو قریش میں سے تھے، ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ امام موصوف غزہ (فلسطین) میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والدہ مکہ لے آئیں ادب و شعر میں اہل بادیہ کی شاگردی کی ان سے شعر حفظ کرتے اور لغت سیکھتے تھے۔ بعد ازاں مقدم الذکر بزرگوں سفیان بن عیینہ اور مسلم بن خالد الزنجی سے مکہ میں حدیث پڑھی۔ بیس سال کی عمر میں مدینہ منورہ گئے اور وہاں تعلیم مکمل کی۔

مدینہ کا علمی مرکز

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ مدینہ کا علمی مرکز سب سے ممتاز تھا۔ اس کے اہل علم صحابہ میں سے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ خاص طور پر مشہور ہیں لیکن اس مرکز کے سب سے ممتاز بانی جنہوں نے اپنی زندگی صرف درس و تدریس کے لئے وقف کر دی، اور ان کے شاگردوں کا دائرہ بہت وسیع ہوا، صرف دو ہیں۔ زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر۔ یہ دونوں بزرگ اپنے علمی مذاق میں ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ زید بن ثابت انصار میں سے تھے۔ بچپن ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، سریانی

اور عبرانی زبانوں کی بھی تحصیل کی، لیکن یہ معلوم نہیں کہ ان زبانوں میں انہیں کتنی دسترس تھی۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ انہوں نے پندرہ دن میں عبرانی اور سترہ دن میں سریانی پڑھی۔ ظاہر ہے اس قلیل مدت میں کسی زبان پر قدرت حاصل کرنا مشکل ہے کیا اس کے بعد بھی انہوں نے ان زبانوں کی تحصیل کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس بارے میں ہماری معلومات زیادہ نہیں۔ بہرحال احکام اسلام کے فہم وادراک میں زید بن ثابت کا درجہ مسلّم ہے۔

قرآن وحدیث سے استنباطِ مسائل میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ جب ان کو کوئی مسئلہ قرآن وحدیث میں نہ ملتا تو وہ اپنی رائے، قیاس سے کام لیتے۔ زید بن ثابت کے بارے میں سلیمان بن یسار کہتے ہیں :۔ "حضرت عمر اور حضرت عثمان مقدمات کا فیصلہ کرنے، فتوے دینے اور علم الفرائض وقرأت میں زید بن ثابت پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔" القاسم کا بیان ہے۔ "حضرت عمر جب کبھی سفر کرتے، زید بن ثابت کو اپنا قائم مقام بناتے اور ان کے سوا وہ دوسرے لوگوں کو ادھر ادھر جگہ بھیجتے۔ حضرت عمر باہر بھیجنے کے متعلق جب کبھی اصحاب فہم وذکا کا پوچھتے، اور ان کے سامنے زید بن ثابت کا نام لیا جاتا، تو وہ فرماتے، زید کی منزلت سے مجھے انکار نہیں لیکن اہل مدینہ کو روزمرہ کے مسائل میں زید کی ضرورت رہتی ہے۔ اور ان کے سوا کوئی دوسرا یہ کام نہیں کرسکتا۔ اس لئے میں زید کو باہر نہیں بھیجتا۔"

قبیصہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم کے زمانۂ خلافت میں مدینہ کی قضا، فتویٰ دینے اور فرائض (احکام وراثت) کے مناصب زید بن ثابت کے سپرد تھے۔ حضرت علی کے بعد امیر معاویہ نے بھی ان کو اسی خدمت پر بحال رکھا۔ یہاں تک کہ ۴۵ھ میں وہ انتقال فرما گئے۔ ابن عباس ان کی رکاب تھاما کرتے، اور کہا کرتے علماء واکابر کی توقیر یوں کی جاتی ہے۔

زید بن ثابت ریاضی کے ماہر تھے، اسی لئے علم الفرائض میں ان کا کوئی مثیل نہ تھا۔ جنگِ یرموک کا مال غنیمت ان کے ہاتھوں تقسیم کیا گیا۔ غرض زید بن ثابت بلند پایہ عالم اور فقیہہ تھے۔ اس کے ساتھ ان کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع تھا اور مسائل ومعانی کے استنباط میں ان کو خاص ملکہ تھا۔ جو مسئلہ انہیں قرآن وحدیث میں نہیں ملتا، اس میں وہ اپنی رائے سے کام لیتے تھے۔

زید بن ثابت کی وفات پر شاعر النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حسان بن ثابت نے مرثیہ کہا تھا، اس میں کا ایک شعر ہے۔

فمن للقوافی بعد حسان وابنہ　　ومن للمعانی بعد زید بن ثابت

(حسان اور اس کے بیٹے کے بعد اشعار و قوافی کے لئے کون ہے۔ اور زید بن ثابت کے بعد معانی کے لئے کون ہے)

یہی "معانی" کا وصف، جس کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے، زید بن ثابت کا نمایاں جوہر تھا۔ اور یہی خصوصیت ان کو عبداللہ بن عمر سے ممتاز کرتی تھی۔ ابن عمر صرف خبر عالم تھے۔ وہ حدیثیں جمع کرتے، ان کی روایت کرتے۔ انہیں قلم بند فرماتے اور فتوے دیتے تھے۔ اس ضمن میں وہ اپنی ذاتی رائے دینے سے ہمیشہ بچتے۔ اسلامی علوم کی تاریخ میں یہیں یہ دونوں علمی رجحان۔ اجتہاد و تقلید۔ ایک طویل عرصے تک پہلو بہ پہلو سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔

مدینہ کے علمی مرکز نے علمائے تابعین کی کافی بڑی تعداد پیدا کی۔ ان کے سرتاج اور سب سے مشہور سعید بن المسیب تھے۔ وہ زید بن ثابت کے تلامذہ میں سے تھے۔ سعید بن المسیب اپنے استاد کے فتوؤں کو محفوظ رکھتے تھے۔ اور ان کے قول کو دوسروں کے اقوال پر ترجیح دیتے تھے۔ عروہ بن زبیر بن عوام بھی اسی مدرسۂ فکر کے فارغ التحصیل ہیں۔ مدینہ کے اہل علم و اہل تقویٰ بزرگوں میں ان کی ممتاز حیثیت تھی۔

علمائے تابعین کے اسی گروہ سے ابن شہاب الزہری قریشی نے علم حاصل کیا۔ انہوں نے علمائے مدینہ سے فقہ و حدیث پڑھی تھی۔ زمرۂ علماء میں سے سب سے پہلے ابن شہاب الزہری ہی نے تدوین علم کی طرف توجہ کی متعدد خلفائے امیہ کے ہاں انہیں تقرب حاصل ہوا۔ خاص طور سے عبدالملک اور ہشام ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ یزید بن عبدالملک ان سے فتوے لیا کرتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں کے متعلق فرمایا تھا۔ کہ پیش رو سنت کا جاننے والا الزہری سے بڑھ کر کوئی نہیں ملے گا۔

آخر میں مدینہ کے اسی مدرسۂ علم نے امام مالک بن انس ایسی زبردست شخصیت پیدا کی۔

عراق

وادیٔ دجلہ و فرات کا جنوبی حصہ عراق کہلاتا ہے۔ یہ علاقہ سر سبز و شاداب ہے۔ اور پانی کی فراوانی ہے۔ اسی سبب سے اس کا شمار ان ممالک میں ہوتا ہے، جہاں سب سے پہلے تہذیب و تمدن کی داغ بیل پڑی۔ حضرت مسیح سے تین ہزار سال قبل مختلف متمدن قوموں نے یکے بعد دیگرے عراق کو اپنا جولان گاہ بنایا۔ اہل بابل، اشوری، کلدانی، ایرانی اور یونانی نسلوں کا اپنے اپنے وقت میں

عراق پر دوردورہ رہا - ایران میں سے ہر ایک نے اپنے دستور کے مطابق یہاں سلطنتوں کی بنیاد رکھی جن کی تہذیب و تمدن کی ضیاباریاں آس پاس کے ملکوں کو برابر منور کرتی رہیں -

اہل عرب قدیم سے اس سرزمین کو جانتے تھے - قبائل بکر و ربیعہ تو یہاں آباد بھی ہوگئے تھے - بعد میں ان لوگوں نے یہاں ایک ریاست بھی قائم کی، جو حیرہ کے نام سے مشہور ہے - حضرت عمرؓ کے عہد میں عراق فتح ہوا اور یہاں بصرہ و کوفہ نئے شہروں کی بنیاد پڑی جو بسرعت بڑی ترقی کر گئے - مدائن جو ایرانی کسراؤں کا دارالسلطنت تھا، اس کے خزانوں کا بڑا حصہ بصرہ و کوفہ والوں کو ملا - اور بابل وحیرہ کی تہذیب نے بھی ادھر کا رخ کیا - چنانچہ بنی امیہ کے دور حکومت میں عراقی تہذیب ان دو شہروں میں سمٹ آئی تھی - یہاں تک کہ اس زمانے میں عراق سے بصرہ و کوفہ مراد لئے جاتے تھے اور اکثر ان پر "عراقین" کا اطلاق ہوتا تھا -

جب عراق فتح ہوا تو اہل عرب نے بڑی کثیر تعداد میں ادھر کا رخ کیا - عرب اپنے ساتھ اسلام کے علاوہ اپنی قبائلی روایات و عصبیات بھی لے کر عراق پہنچے تھے - ان دو شہروں کی روز اول ہی سے قبیلہ وار تقسیم ہوگئی - مثال کے طور پر کوفہ کے دو حصے کئے گئے - شرقی اور غربی - شرقی حصہ یمنی قبائل نے لے لیا - اور دوسرا نزاری قبائل نے - اس بڑی تقسیم کے بعد ہر حصے کی قبیلہ وار تقسیم ہوئی - شعبی کا بیان ہے کہ کوفہ میں اہل یمن نزاریوں سے زیادہ تھے - اول الذکر بارہ ہزار تھے اور نزاری آٹھ ہزار -

اس کے علاوہ عراق میں آباد ہونے والے ان عربوں میں فاتحانہ عالی دماغی بھی تھی - جس کا اظہار اکثر و بیشتر غیر عرب موالی کے خلاف ہوتا رہتا - عراق میں اکثریت غیر عربوں کی تھی - ان میں سے جو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے انہیں موالی کہا جاتا تھا - قاعدہ یہ تھا کہ یہ موالی کسی نہ کسی عرب قبیلے کے حلیف بن جاتے اور اس طرح وہ اس قبیلے کی حمایت کے حق دار ہوتے - حلیف بننے کے بعد موالی بھی اپنے حلیف قبیلوں کی عصبیت میں ان کے ہم نوا ہوجاتے تھے - بلاذری لکھتا ہے:- "اہل فارس کی ایک فوجی جماعت جو اساورہ کے نام سے مشہور ہے، شروع میں بنی ازد کی حلیف بنی - بعد میں انہوں نے دریافت کیا کہ بنی ازد اور بنی تمیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرام سے نسباً کون قریب ہیں - اور ان دونوں میں سے کس نے آپ کی زیادہ مدد کی - جب اس بارے میں بنی تمیم کا نام لیا گیا، تو وہ قبیلہ ازد کے بجائے اس کے حلیف ہوگئے -" عراق کی تمام تجارت اور صنعت و حرفت انہی لوگوں کے ہاتھ میں تھی - حضرت عمرؓ کے حکم کے زمینیں بھی انہی کے پاس

رہنے دی گئیں عرب صرف حکمراں تھے۔ اہل عرب جہاں بھی گئے، اپنے ساتھ اپنی قبائلی عصبیتوں کو لیتے گئے۔ جب وہ کوفہ بصرہ میں آباد ہوئے تو پہلی قبائلی عصبیتوں کے علاوہ ان میں کوفہ و بصرہ کے ہونے کی عصبیت بھی شامل ہو گئی۔ کوفہ کے عرب اور ان کے موالی حلیف کوفہ کی عصبیت کا دم بھرتے اور اسی طرح بصرہ والے بصرہ کو سراہتے۔ ہر جماعت اپنے شہر کے طبعی اوصاف اور محل وقوع کی خوبیوں کو فخریہ بیان کرتی۔ اور جو جو معرکے انہوں نے سر کئے تھے، ان پر فخر کیا جاتا۔ جس کسی کے ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تشریف فرما ہوئے تھے، وہ اپنی اس سعادت پر ناز کرتا۔ اور اس پر مدحیہ اشعار کہے جاتے۔ اور تو اور علم و فضل میں بھی باہم مفاخرت اور چشمک رہتی۔ اہل بصرہ و کوفہ کی ان باہم چشمک آرائیوں کی تفصیل ہمدانی کی کتاب البلدان میں ملتی ہے۔ اپنے اپنے شہر کے اہل علم کی طرفداری اور اس سلسلے میں باہمی نوک جھونک کے مظاہر علوم کی متعدد شاخوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ علم نحو میں بصری و کوفی، فقہ میں بصری و کوفی، مذاہب دینی میں بصری و کوفی، یہاں تک کے ادب و شعر میں بصری و کوفی کی تقسیم وجود میں آگئی۔

اگر مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے، تو جہاں تک علمی و ادبی سرمائے کا تعلق ہے عراق کو اس کا حصہ وافر ملا تھا۔ لیکن بعض باتوں میں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، حجاز عراق پر فوقیت لے گیا تھا۔ عراق میں علمی و ادبی سرمائے کی فراوانی کے کئی اسباب تھے، اسلامی عراق کی تکوین قدیم تہذیبوں کے کھنڈرات پر عمل میں آئی تھی۔ اہل عرب کے آنے سے پہلے عراق کے طول و عرض میں سریانی زبان بولنے والے پائے جاتے تھے۔ عراق میں ان کی درسگاہیں تھیں، جہاں یونانی علوم کی تعلیم ہوتی تھی۔ نیز عراق میں مسیحی فرقے تھے، جن میں آپس میں بحث و جدل کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ خاص حیرہ میں یونانی تہذیب کے حامل افراد، جو روم و ایران کی جنگوں میں قیدی بنائے گئے تھے موجود تھے۔ فتح کے بعد جب اسلامی عراق کی تکوین کا عمل جاری تھا یقیناً عراق ما قبل اسلام کے یہ اثرات، خیالات اس فضا میں تھے۔ اب جو اہل عراق کی غالب تعداد اسلام میں داخل ہوئی تو اسلامی تعلیمات نے ان کے پہلے افکار و خیالات کو بتدریج اسلامی رنگ میں رنگنا شروع کیا جو خیالات اسلام کے موافق تھے۔ ان کو قدرتی طور پر فروغ ہوا۔ اور مخالف اسلام خیالات روز بروز کمزور ہوتے گئے۔

علاوہ ازیں پہلی صدی ہجری میں سلطنت اسلامیہ کے اور حصوں سے کہیں زیادہ خلافت راشدہ کے آخری زمانے اور بنی امیہ کے تمام دور حکومت میں عراق باہمی جنگ و جدل اور مسلسل فتنہ و فساد

کا میدان کارزار بنا رہا۔ سیاسی اختلافات اور ان کی بنا پر اگر خونریز جنگیں ہوں تو ان سے لوگوں کے ذہنوں میں لازماً طرح طرح کے سوالات اٹھتے ہیں۔ اور وہ ہونے والے واقعات کے حسن و قبح اور جواز و عدم جواز پر سوچ بچار کرتے ہیں۔ عراق کے اس فتنہ و فساد کے زمانے میں بھی لازماً لوگوں کے ذہنوں میں اس طرح کے سوالات اٹھتے تھے اور ان میں بحثیں ہوا کرتی تھیں چونکہ خلافت راشدہ کے اواخر اور بنی امیہ کے تمام دور حکومت میں عراق ہی ان تمام ہنگاموں کا سب سے بڑا مرکز رہا۔ اس لئے طبعاً عراقی ان بحثوں میں زیادہ پڑتے تھے۔ چنانچہ اس عہد میں یہی سرزمین تھی جہاں سب سے زیادہ مذہبی فرقہ وارانہ خیالات کو فروغ ہوا۔

طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ اس دور میں علمائے وقت کے سرتاج امام حسن بصری سمجھے جاتے تھے۔ ایک دفعہ چند لوگ ان کے پاس آئے اور کہا کہ اس سرکش (حجاج) کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے بے جا کشت و خون کیا۔ ظلماً لوگوں کے اموال غصب کئے۔ نماز ترک کی اور ایسا کیا، ویسا کیا .... الخ۔ ابن سعد ایک اور جگہ لکھتا ہے۔ ایک شخص نے حسن بصریؒ سے پوچھا کہ آیا ہم عبدالرحمٰن[1] بن اشعث اور یزید بن مہلب کا ساتھ دیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ اِس کا ساتھ دو، نہ اُس کا اس پر اہل شام میں سے ایک شخص بولا۔ اے ابو سعید (حضرت حسن بصری کی کنیت تھی) امیرالمومنین کا بھی ساتھ نہ دیں؟ یہ کہتے ہوئے وہ شخص طیش میں آگیا۔ اور ہاتھ کو بڑے زور سے حرکت دے کر کہنے لگا۔ کہ کیا امیرالمومنین کا بھی ساتھ نہ دیں؟ حسن بصری فرمانے لگا۔ ہاں نہ امیرالمومنین کا ساتھ دو۔ اس قبیل کے بہت سے واقعات اس عہد کی تاریخوں میں ملتے ہیں۔

اہل عراق میں ایک تو کافی بڑی تعداد میں عرب تھے اور دوسرے غیر عرب موالی۔ عربوں کے ہاتھ میں حکومت و سیادت تھی اور موالی تجارت، صنعت و حرفت اور زراعت کے پیشوں پر حاوی تھے۔ موالی دینی اور دنیوی ہر دو اغراض کے لئے عربی زبان سیکھنے پر مجبور تھے، اس سلسلہ میں قدرتاً

---

[1] عبدالرحمٰن بن اشعث نے عبدالملک بن مروان کے زمانے میں حجاج بن یوسف کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اور یزید بن مہلب حجاج بن یوسف کے سیاسی گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ حجاج کے مرنے کے بعد اس نے اموی خلیفہ یزید بن عبدالملک کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ ان دونوں بغاوتوں کی لپیٹ میں پورا عراق آگیا تھا۔ (سرور)

ں کی یہ خواہش ہوگی کہ عربی سیکھنے کا کوئی آسان طریقہ معلوم ہو۔ اور ان کی یہی ضرورت علم
و کے باقاعدہ وجود میں آنے کا محرک بنی۔ اسی لئے حجاز اور شام کے بجائے عراق میں علم نحو کی
اغ بیل پڑنا زیادہ قرین قیاس نظر آتا ہے۔ اہل حجاز کی خود اپنی زبان عربی تھی۔ چنانچہ انہیں اس
ے سیکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ باقی رہا شام، تو وہاں سے کہیں زیادہ عراق کے موالی عربی زبان سیکھنے
طرف مائل ہوئے۔ واضح رہے کہ اسلام سے پہلے عراق میں سریانی ادبیات کا بڑا چرچا تھا۔
ر اس زبان کے قواعد وغیرہ بھی موجود تھے۔ اب اس میں کوئی دقت نہ تھی کہ سریانی زبان کے قواعد
لے طرز پر عربی زبان کے قواعد وضع کر لئے جائیں اور خصوصاً اور جب کہ دونوں زبانیں ایک ہی اصل کی
رع تھیں۔ کوفہ سے پہلے بصرہ میں علم نحو کی بنیاد پڑی۔ اور بادیہ عرب کی قربت کی وجہ سے اہل بصرہ
وفہ والوں سے سبقت لے گئے۔

غرض حجاز میں مکہ اور مدینہ دو مدارس فکر نے عروج پایا، اور عراق میں بصرہ اور کوفہ
علمی مرکز بن گئے۔

دور اموی میں عراق مستقل طور پر باہمی جنگ و جدل کا میدان بنا رہا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے
بعد حضرت عائشہؓ، طلحہؓ و زبیرؓ نے بصرہ کا رخ کیا۔ اور حضرت علیؓ نے کوفہ کو اپنا مرکز بنایا۔ پھر کوفہ اور بصرہ کے
درمیان جنگ جمل ہوئی، حضرت حسینؓ حجاز سے کوفہ روانہ ہوئے اور کربلا میں ان کو شہید کیا گیا۔ مختار ثقفی
نے کوفہ ہی میں حضرت حسینؓ کا انتقام لینے کا نعرہ بلند کیا۔ اور عبیداللہ بن زیاد اور دوسرے قاتلین
حسینؓ مارے گئے۔ مختار عبداللہؓ بن زبیرؓ کے بھائی مصعب کے ہاتھوں قتل ہوا، پھر
عبدالملک بن مروان نے کوفہ پر چڑھائی کی، جس میں مصعب مارے گئے۔ اور عراق
پر اموی تسلط قائم ہوگیا۔ عبدالرحمٰن بن اشعث نے عبدالملک کے خلاف بغاوت کی اور
حجاج کو شکست دے کر کوفہ پر قبضہ کر لیا! اس سلسلہ انقلاب گردی میں لوگوں میں برابر
یہ خیالات پیدا ہوتے تھے کہ ان محاربین میں سے کون فریق عقلی پر تھا، اور کون راستی پر۔
چونکہ عراق ان جنگوں کا جولان گاہ تھا، اس لئے طبعاً عراقی ان بحثوں میں زیادہ پڑتے تھے